© rasailojaraid.com

عید کا تاریخی پس منظر، عظمت اور فلسفہ

مفتی منیب الرحمٰن
چیرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (حکومتِ پاکستان)

روح کی لطافت، قلب کے تزکیہ، بدن و لباس کی طہارت اور مجموعی شخصیت کی نفاست کے ساتھ بصد عجز و انکسار و بعایت خشوع خضوع تمام مسلمانوں کا اسلامی اتحاد و اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کر رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی اور نذرانۂ شکر بجالانے کا نام عید ہے۔

لفظ عید کے معنی اور وجہ تسمیہ

عید کا لفظ عود سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی لوٹنا ہے۔ چونکہ یہ دن مسلمانوں پر بار بار لوٹ کر آتا ہے، اس لئے اس کو عید کہتے ہیں (بحوالہ لسان العرب مصنف علامہ ابن منظور افریقی) ابن العربی نے کہا کہ عید کو "عید" اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دن ہر سال مسرت کے ایک نئے تصور کے ساتھ لوٹ کر آتا ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مسرت اور خوشی کے دن کو عید، نیک شگون کے طور پر کہا جاتا ہے تاکہ یہ دن ہماری زندگی میں بار بار لوٹ کر آئے، جس طرح "قافلہ" کے معنی ہیں "لوٹ کر آنے والا" اہل عرب قافلہ کو بھی نیک شگون کے طور پر قافلہ کہتے ہیں۔ گویا اس کے پیچھے یہ آرزو اور تمنا کارفرما ہوتی ہے کہ جس مقصد کے لئے جارہا ہے اس میں کامیاب و کامران ہو کر عافیت اور سلامتی کے ساتھ اپنی منزل پر واپس آجائے۔ چونکہ رب تبارک وتعالیٰ اس دن اپنے مقبول اور عبادت گزار بندوں پر اپنی ان گنت نعمتیں اور برکتیں لوٹاتا ہے اس لئے اسے عید کہتے ہیں۔

عید، انسانی فطرت کا تقاضہ

سال میں چند ایام جشن، تہوار اور عید کے طور پر دنیا کی تمام اقوام و ملل اور مذاہب میں منائے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر قوم، مذہب و ملت کے لوگ اپنے ایام عید کو اپنے اپنے عقائد، تصورات، روایات اور ثقافتی اقدار کے مطابق مناتے ہیں، لیکن اس سے یہ حقیقت ضرور واضح ہوتی ہے کہ تصور عید انسانی فطرت کا تقاضہ اور انسانیت کی ایک قدر مشترک ہے۔ مسلمان قوم چونکہ اپنی فطرت، عقائد و نظریات اور ملی اقدار کے لحاظ سے دنیا کی تمام اقوام سے منفرد و ممتاز ہے۔ اس لئے اس کا عید منانے کا انداز بھی سب سے نرالا ہے، بقول علامہ اقبالؒ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اور اقوام کی عید محافل ناؤ نوش و رقص و سرود بپا کرنے، دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں کھو جانے، مادر پدر آزاد ہو کر بدمستیوں میں ڈوب جانے، تمام اخلاقی اقدار کو تج دینے، نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کو فروغ دینے اور "آج یا پھر کبھی نہیں" کے مصداق ہوس نفس کا اسیر بن جانے کا نام ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں روح کی لطافت، قلب کے تزکیے، بدن و لباس کی طہارت اور مجموعی شخصیت کی نفاست کے ساتھ بصد عجز و انکسار خشوع و خضوع تمام مسلمانوں کے اسلامی اتحاد و اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی اور نذرانۂ شکر بجالانے کا نام عید ہے۔

قرآن مجید میں ذکر عید

قرآن مجید میں سورۂ مائدہ آیت:۱۱۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دعاء کے حوالے سے عید کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال عیسی ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مآئدہ من السمآ تکون لنا عید الاولنا و اخرنا وایۃ منک ج وارزقنا وانت خیر الرازقین۔

"عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار دے (اور اس طرح اس کے اترنے کا دن) ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں، پچھلوں کے لئے (بطور) عید (یادگار) قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے اگلی آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

قال اللہ انی منزلها علیکم ج فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبه عذابا لا اعذبه احدا من العلمین (المائدہ:۱۱۵)

"اللہ نے فرمایا کہ میں یہ (خوان) تم پر اتار تو دیتا ہوں مگر اس کے بعد تم میں سے جو کفر کرے تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو سارے جہانوں میں اور کسی کو نہ دیا ہو"

رہا یہ سوال کہ دعائے عیسیٰ علیہ السلام کے نتیجے میں ان کی قوم پر یہ خوان اترا یا نہیں، قرآن نے اس سلسلے میں سکوت اختیار فرمایا ہے، البتہ تفاسیر میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ ہمارے زیر بحث موضوع سے جو بات متعلق ہے وہ یہ ہے کسی قوم کے مسرت کے دن کا قرآن نے عید کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور جو دن کسی قوم کے لئے اللہ کی کسی خصوصی نعمت کے نزول کا دن ہو وہ اس دن کو اپنا یوم عید کہہ سکتی ہے۔

عید میلاد مصطفیٰ ﷺ کا ثبوت ایک لطیف پیرائے میں

مفسر قرآن مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے قرآن مجید کے اپنے تفسیری حاشیے "خزائن العرفان" میں اس مقام پر ایک لطیف نکتہ آفرینی کی ہے۔ وہ یہ کہ جب اللہ کی خصوصی نعمت کے نزول کا دن عید قرار پا سکتا ہے اور قرآن ایک طرح سے اس کی توثیق کر رہا ہے تو اگر امت محمد ﷺ اللہ کی نعمت عظمیٰ محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو ایک عید کے طور پر منائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے۔

اسلام میں عید کا آغاز

خالص اسلامی فکر اور دینی مزاج کے مطابق اسلامی تمدن، معاشرت اور اجتماعی زندگی کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں عیدین کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس کا تذکرہ سنن ابی داؤد کی مندرجہ ذیل حدیث میں ملتا ہے۔ ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ دو دن بطور تہوار منایا کرتے تھے جن میں وہ کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا" یہ دو دن جو تم مناتے ہو" ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ (یعنی ان تہواروں کی اصلیت اور تاریخی پس منظر کیا ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم عہد جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اللہ

تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں تمہارے لئے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں، یوم (عید) الاضحیٰ اور یوم (عید) الفطر"۔

عید کے ایام کو مقرر کرنے کی حکمت

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیوں نہیں کر دیا کہ نوروز اور مہرجان کے انہی تہواروں کی اصلاح فرما دیتے اور ان میں جو رسوم شرعی اعتبار سے منکرات کے زمرے میں آسکتی تھیں، ان کی ممانعت فرما دیتے اور اظہار مسرت کی جو جائز صورتیں تھیں وہ اختیار کرنے کی اجازت دے دیتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ کی حکمت کارفرما تھی۔ دراصل ہر چیز کا ایک مزاج اور پس منظر ہوتا ہے۔ آپ لاکھ کوشش کریں کسی چیز کو اس کے تخلیقی مزاج اور تاریخی پس منظر سے جدا نہیں کر سکتے، لہٰذا جس چیز کی اساس کسی شر پر رکھی گئی ہو اس کی کانٹ چھانٹ اور بناؤ سنگھار سے کوئی خیر پر مبنی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا اور اسلام تو آیا ہی اس لئے ہے کہ کفر اور بدی کے اثرات کو مٹایا جائے۔ معلوم ہوا کہ اسلامی معتقدات اور خالص دینی فکر اور شرعی مزاج کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا تعلق تمام جاہلی رسوم اور کافرانہ شعائر سے یکسر ختم کر دیا جائے تاکہ عہد جاہلیت کی تمام علامات سے کٹ کر ان میں صحیح دینی فکر پیدا ہو سکے۔

چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اس نے جہاں اپنے ماننے والوں کو لادینی نظریات سے محفوظ رکھا وہاں ان کے صحیح جبلی اور فطری تقاضوں کی آبیاری بھی کی، عید منانا انسانی فطرت کا تقاضہ تھا لہٰذا مسلمانوں کو ایک کی بجائے عیدین کی دوہری نعمت عطا فرمائی۔

یوم عید کے مستحبات

عید کے دن یہ امور مستحب ہیں: حجامت بنوانا، ناخن تراشنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، اچھے صاف ستھرے یا دستیاب ہوں تو نئے کپڑے پہننا، صبح کی نماز مسجد میں پڑھ کر عید گاہ چلے جانا۔

عید گاہ جاتے وقت راستہ تبدیل کرنا

سنت یہ ہے کہ جس راستے سے عید گاہ جائے، نماز پڑھ کر اس راستے کے بجائے دوسرے راستے سے گھر واپس جائے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن نبی اکرم ﷺ (عید گاہ) آتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے میں) راستہ تبدیل کرتے تھے"۔

اس کی متعدد حکمتیں ہوسکتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: دونوں راستے نمازی کی عبادت اور ذکر پر گواہی دیں، دونوں راستوں پر اسلامی شعار کا اظہار ہو اور دونوں راستوں پر بے نمازیوں اور اللہ کی عبادت سے غافل رہنے والوں کو اپنے عمل سے یاد خدا کی طرف مائل کیا جائے۔

ون وے ٹریفک کا نظریہ

اس کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایک راستے سے جانے اور دوسرے راستے سے واپس آنے سے آنے جانے والوں کے لئے سہولت ہو، اژدہام اور بھیڑ میں کمی واقع ہو اور گزرگاہ تنگ نہ ہو۔ ہم بجا طور پر دنیا والوں کے سامنے یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے جدید تمدن، معاشرت اور شہری زندگی کے مسائل کو اپنی تعلیمات کے ذریعے نہایت سہل انداز میں حل فرمایا ہے اور یہ کہ One Way Traffic کے اصولوں کے بانی ہمارے پیارے نبی ﷺ ہیں۔

عید نہ منانا

قوموں کی زندگی میں المیے، حوادث اور مصائب پیش آتے رہتے ہیں اور بدقسمتی سے گزشتہ برسوں سے اس طرح کے المناک واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا ایک معمول بن چکے ہیں۔ ایسے حوادث کے پیش نظر اکثر اوقات بعض افراد یا حلقوں کی جانب سے یہ سننے میں آتا ہے کہ اس سال ہم عید نہیں منائیں گے۔ اس طرح کے بیانات کے پیچھے یقیناً نیک نیتی، حب الوطنی، اخوت اسلامی اور انسانیت دوستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عید نہ منانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کوئی جشن یا تہوار تو ہے نہیں، یہ تو عبادت اور سنت مصطفیٰ ﷺ ہے، اخوت اسلامی اور اتحاد امت کا مظاہرہ ہے، جمعیت قوم مسلم کا ایک حسین منظر ہے، اللہ کی بارگاہ میں دوگانہ نماز عید کی ادائیگی کا نام ہے۔ شرافت، متانت اور نفاست ایسی انسانی خصوصیات کا مظہر ہے ان میں سے کوئی چیز اور کوئی بات ایسی نہیں جو عسر و یسر اور رنج و راحت ہر حال میں منائے جانے کے قابل نہ ہو۔ باقی رہا لہو و لعب میں مشغولیت، رقص و سرود کی محافل برپا کرنا، نا و نوش اور محرمات شرعیہ کا ارتکاب اور ہوس نفس کی تسکین کے سامان بہم پہنچانا، یہ ایسے امور ہیں جن کا اسلامی تصور عید سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو ایک مسلمان کو نہ صرف عید کے مقدس موقع پر بلکہ زندگی کے ماہ و سال کے ہر لمحہ و لحظہ میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے چاہئیں۔ بلکہ ان محرمات و منکرات شرعیہ کو چھوڑنا ہی ایک مومن کامل کی حقیقی عید ہے اور ایسی عید اللہ تعالیٰ ہر بندۂ مومن کو نصیب فرمائے۔

Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

"الرسول النبی الأُمّیّ" کا معنیٰ مُرادی

محمد عارف خان ساقی
استاذ شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

نحمده و نصلّی و نسلم علی الرسول النبی الامی وآله واصحابه وأمته اجمعین.

قرآن مجید میں حضور رسالتمآب ﷺ کی ایک صفت "الرسول النبی الامی" بیان ہوئی ہے۔ جس انداز سے قرآن حکیم نے آپ ﷺ کیلئے یہ کلمہ استعمال کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امی ہونا آپ ﷺ کا وہ امتیازی وصف ہے جس سے بنی اسرائیل کے انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف نہیں ہوئے۔ اس معاملے میں اب تک ہمارے علماء کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کے لئے الرسول النبی الامی کے کلمات کو ایک امتیازی وصف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے تو یہاں "امی" سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ اس سلسلے میں علماء کے متعدد اور مختلف اقوال ہیں۔

یوں تو انبیاء کرام کو ان کے حالات و زمانہ اور معروضی ضرورتوں کے تحت فضائل و معجزات سے سرفراز فرمایا گیا اور یکسانی و مساوات کہیں نہیں پائی جاتی۔ ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہیں اور ہر کسی کے اپنے امتیازات۔ مگر آپ ﷺ کا امی ہونا محض ایک امتیازی وصف ہی نہیں بلکہ نبی موعود کی شناخت و پہچان کی ایک علامتِ خاص بھی ہے۔ ایک ایسی علامت جس کے فہم پر نبی موعود کی پہچان اور شناخت موقوف ہے۔ علامت اور نشان کے درست تعین اور فہم کامل کے بغیر مقصود تک رسائی چونکہ ممکن نہیں ہوتی اس لیے اس کے فہم یقینی کا حصول اور درست تعین بادی النظر میں ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ چہ جائیکہ احتمالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وامکانات کے دبیز پردوں میں اس کو چھپایا اور اقوال کی کثرت میں الجھا اور الجھایا جاتا۔ کیونکہ مقصود کی طرف راہنمائی کرنے والی علامات کو چھپانا یا مبہم رکھنا بنیادی مقصد اور حکمت کے خلاف ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ وعلی نبینا افضل الصلوات والتسلیمات کی معیت میں بنی اسرائیل کے ستر افراد رب ذوالجلال کی ملاقات کیلئے جاتے ہیں۔ جب وہ سارے اللہ کی پکڑ میں آکر ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ واستغفار کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دستِ دعا پھیلا دیے۔ دعا قبول ہوئی اور جواب ملا:

قال عذابی اصیب بہ من اشآء ج ورحمتی وسعت کل شیء ط فساکتبھا للذین یتقون و یؤتون الزکوۃ والذین ھم بأیتنا یؤمنون. الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰۃ والانجیل (۱)

"جسے میں چاہوں گا عذاب سے دوچار کروں گا اور میری رحمت ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ پھر عنقریب میں اسے ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور وہ جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔ وہ لوگ کہ جو اس رسول و نبی امی کی پیروی کریں گے، جس کا ذکر اپنے پاس موجود تورات اور انجیل میں پائیں گے۔"

پھر گفتگو کا تسلسل برقرار رہتا ہے اور نبی امی کے خصائص کا ذکر آجاتا ہے۔ اس سے صاف مترشح ہے کہ امی ہونا اس نبی معظم کا شناختی وصف ہے جو نبی موعود ہے۔ آپ ﷺ سے متعلق بشارات کا سلسلہ حضرت ابوالانبیاء سیدنا خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا افضل الصلوات والتسلیمات کی دعا سے شروع ہوتا ہے۔ تورات کے حوالے سے اس دعا کا ذکر ذرا آگے چل کر آئے گا۔ یہاں قرآن حکیم کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم ط انک انت العزیز الحکیم (۲)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہی میں سے ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ فرمادے، تو بڑا ہی مقتدر اور بہت حکمتوں والا ہے۔

سیدنا خانۂ کعبہ کی تعمیر کے عمل کے دوران مکہ مکرمہ میں مانگی گئی تھی۔ یہ چیز اس بات کا قرینہ ہے کہ جس نبی کی بعثت کی دعا مانگی گئی اس کی بعثت مکہ مکرمہ میں اور اہل مکہ ہی میں سے ہو۔ چنانچہ فہیم اور منبہہ انہی دو باتوں کا تعین ہو رہا ہے۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ اس وقت چونکہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام خانۂ کعبہ کی تعمیر کے عمل میں شریک اور مصروف تھے اس لئے یہ دعا بھی آپ علیہ السلام کے حق میں ہوئی۔ مگر حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد اور آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے زمانوں میں نبوت و رسالت کا جو دور چلا وہ پورے کا پورا آپ علیہ السلام کے چھوٹے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس اثناء میں بنی اسماعیل پہ خاموشی طاری رہی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عہد میں جس نبی موعود کی بعثت کی بشارت دیتے ہیں اس کی بنیاد وہ وحی الٰہی معلوم ہوتی ہے جس کا حوالہ متذکرہ بالا فرمان ایزدی سے ملتا ہے۔ اس موقع پر آپ علیہ السلام کو نبی موعود کی یہ علامت بتا دی گئی تھی کہ وہ "امی" ہوگا۔ اور آپ علیہ السلام کے بعد کوئی بھی اور نبی جو "امی" نہ ہوگا اس بشارت کا مصداق بھی نہ ہوگا۔ اس مسئلے میں علماء کرام کے اقوال میں جو تعدد اور گونا گونی پائی جاتی ہے اسی سے ان اقوال کی صحت و صداقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو موقف اختیار کیا اس میں ایک بے اعتدالی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ جس پہ از سر نو غور و خوض اور اس موقف سے گریز ضروری ہے۔ اس موقف کی صحت تسلیم کر لی جائے تو اس کلیے سے شان رسالت میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہاں نبی ﷺ کے لئے امی کا لفظ یہودی اصطلاح کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے سوا دوسری سب قوموں کو امی (گوئیم یا جنٹائل) کہتے تھے اور ان کا قومی غرور کسی امی کی پیشوائی تسلیم کرنا تو درکنار اس پر بھی تیار نہ تھا کہ امیوں کے لئے اپنے برابر انسانی حقوق ہی تسلیم کر لیں۔ چنانچہ قرآن میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "امیوں کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں" (آل عمران آیت ۷۵) پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کر کے فرماتا ہے کہ اب تو اسی امی کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے۔ اس کی پیروی قبول کرو گے تو میری رحمت سے حصہ پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارے لئے مقدر ہے جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آرہے ہو۔" (۳)

سارے آثار و قرائن تو یہی بتاتے ہیں کہ یہ کلمہ یہودی اختراع اور وضع کردہ اصطلاح ہے۔ اس حد تک تو مندرجہ بالا موقف درست اور حقائق کے مطابق ہے۔ چونکہ یہود کا عیسائیوں کے مقابلے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جزیرہ نمائے عرب میں اثر ورسوخ زیادہ تھا اس لئے بے خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ امی کا لفظ غیر اہل کتاب کے معنی میں انہوں نے ہی استعمال اور رائج کیا۔ مگر عوامی سطح پر عام استعمال میں آجانے والے ایک کلمے میں یہود کی مکروہ ذہنیت کے آثار تلاش کرنا اور اس کو ان کی کمتر سوچ سے آلودہ کر دینا قطعا مناسب نہیں۔ زیر بحث آیت مبارکہ مکی سورت کا حصہ ہے۔ اگر ایسی کوئی آلودگی پائی جاتی تو یہ کلمہ کسی مکی سورت میں آپ ﷺ کی صفت کے طور پر شامل تو ہر گز نہ ہوتا کہ یہاں تو ابھی یہود کا سامنا ہی نہیں ہے۔ نہ ان کی زیر دستی یا بالا دستی کا سوال ہی ہے۔ پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے آپ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کو بگاڑ کر مذمم کہنے والوں کو چڑانے کے لئے وحی' الٰہی اس کلمے کو آپ ﷺ کا وصف ظاہر کرتے ہوئے یہ تاثر پیدا کرے کہ آج تم اسی مذمم کے رحم وکرم پر ہو۔ عیاذا باللہ ! یہ پہلو دھیان میں ہوتا تو سید ابوالاعلیٰ مودودی یہ موقف یقینا اختیار نہ کرتے۔ الغرض یہود یہ کلمہ غیروں کے لئے ضرور استعمال کرتے تھے مگر نفرت وحقارت کے اظہار کے لئے نہیں، جداگانہ شناخت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

''جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا'' کے نام سے طبع ہو کر عام لوگوں کے استفادے کے لئے تقسیم ہونے والے ایک مختصر کتابچے میں سید ابوالحسن علی ندوی کا زور اس بات پر ہے کہ امی کا معنی ''ناخواندہ ہونا'' ہے:

''جس پر یہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ خود بھی ناخواندہ امی ہے، اس کی پوری قوم ان پڑھ ہے، یہودیوں نے بھی ان کو امیین کے لقب سے پکارا ہے۔'' (۴)

پیر کرم شاہ الازہری کا بھی اس معاملے میں کوئی قول مختار نہیں۔ فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کو ''الامی'' کہنے کی متعدد توجیہات علماء کرام نے بیان کی ہیں'' پھر حسب ذیل توجیہات نقل کرتے ہیں:

ا۔''منسوب الی الام یعنی ہو علی ما ولدتہ امہ لم یکتب ولم یقرأ۔'' یعنی یہ کلمہ ام بمعنی ماں، کی طرف منسوب ہے۔ وہ شخص جو اسی حال پر ہو جس پر اس کی ولادت ہوئی کہ نہ لکھا نہ پڑھا۔

۲۔بعض نے کہا ہے کہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امی کہا گیا۔

۳۔بعض کی رائے ہے کہ امی امت کی طرف منسوب ہے۔ یعنی حضور ﷺ صاحب امت ہیں۔ (۵)

لغت نویس کہتے ہیں:

''الامی من لا یعرف الکتابۃ ولا القراۃ'' (۶) یعنی امی وہ ہے جو لکھنا جانتا ہو نہ پڑھنا۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

''الامی ہو الذی لا یکتب ولا یقرأ من کتاب'' (۷) یعنی امی وہ شخص ہے کہ جو کسی کتاب سے پڑھ سکتا ہو نہ لکھ سکتا ہو۔

علامہ جار اللہ زمخشری کے نزدیک امی سے مراد یہود بھی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ایک مقام پر '' اُمِّیُّوْنَ '' سے ان پڑھ یہودی مراد لئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ومنہم اُمّیون لا یحسنون الکتب فیطالعوا التوراۃ ویتحققوا ما فیہا (۸)

ترجمہ: اور ان میں سے کچھ ان پڑھ ہیں، کتاب کے بارے میں بہتر معلومات نہیں رکھتے کہ تورات کا مطالعہ ہی کر سکیں اور یہ تحقیق کر سکیں کہ اس میں کیا کیا احکام ہیں۔

استاذی، علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:

''امی وہ شخص ہے جو لکھتا ہو نہ پڑھتا ہو، یعنی جس طرح ماں کے بطن سے ناخواندہ پیدا ہوا تھا اسی حالت پر ہو اور کسی سے علم حاصل نہ کیا ہو''۔ (۹)

ایک روایت میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ جب لکھا جانے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا نام مبارک ''محمد رسول اللہ'' لکھ دیا۔ اس پر مشرکین مکہ معترض ہوئے کہ ہم آپ (ﷺ) کو اللہ کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا رہ جاتا۔ اور اصرار کیا کہ ''رسول اللہ'' کے کلمات ہٹا دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کلمات ہٹا دیں۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ کو تامل ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

أرنی مکانہا فأراہ مکانہا فمحاہا و کتب ابن عبداللہ (۱۰)

ترجمہ: مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ''رسول اللہ'' کے کلمات لکھے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ دکھائی جہاں یہ کلمات لکھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کلمات کو مٹا کر ''ابن عبداللہ'' لکھ دیا۔

حضرات شارحین حدیث نے اس روایت کے ذیل میں بڑی طویل اور تفصیلی بحثیں درج کی

© rasailojaraid.com